اصلاحِ احوال

مصنف

ظفراللہ خان

تقدیم

یوں تو علم اور اقتدار دو الگ الگ چیزیں نظر آتے ہیں اور جب کسی قوم کی بدنصیبی کا آغاز ہوتا ہے تو یہ دونوں ایک دوسرے کے حریف بھی بن جاتے ہیں لیکن اس مثال اسلامی معاشرہ میں یہ دونوں ایک دوسرے کے حلیف اور ممد ومعاون ہوتے ہیں اصحاب علم کی حیثیت اصحاب اقتدار کے فکری راہنماؤں اور مخلص مشیروں کی ہوتی ہے اور اصحاب اقتدار کی ذمہ داری اس علمی اور فکری راہنمائی پر عملدر آمد کرانا ہوتی ہے۔

لیکن ایسی مثالیں بھی تاریخ اسلام میں کم نہیں ہیں کہ اصحاب حکومت نے علم فکر کی دنیا میں بھی نام پیدا کیا اور ایسی علمی یادگاریں چھوڑیں جنہوں نے ان کو اہل علم کی صف میں قابل احترام جگہ عطا کی۔ ماضی قریب میں نواب سر حبیب الرحمٰن خان شروانی شاید اس جامعیت کی سب سے نمایاں مثال ہیں۔ اس سے ذرا نیچے کی سطح پر بھی ایسے حضرات ہمارے ہاں ناپید نہیں رہے جنہوں نے اعلیٰ سرکاری مناصب کے ساتھ ساتھ علم و ادب سے بھی رشتہ جوڑا اور دونوں کے تقاضوں کو خوب نبھایا۔ مرحوم قدرت اللہ شہاب، ڈاکٹر جمیل جالبی، مختار مسعود اور ایسے متعدد ادیب افسروں یا افسر ادیبوں کے نام اس سلسلہ میں لئے جا سکتے ہیں جنہوں نے علم و ادب کے میدان میں بلند ترین مقام حاصل کیا۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی جناب ظفر اللہ بھی ہیں جن کو ان کے رفقاء ایک دردمند مسلمان اور ایک نوجوان دانشور کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ وہ کئی سال دعوۃ اکیڈمی کے شعبہ تحقیق و تربیت سے وابستہ رہے ہیں اور اس دور کی خوشگوار یادیں اب تک ان کے رفقاء کے دلوں میں روشن ہیں۔ زیر

نظر کتاب ان کے اس دعوتی اور تربیتی جذبہ کی مظہر ہے جس سے ان کے قریبی احباب بخوبی واقف ہیں۔

فاضل مصنف نے یہ کتاب ان قیدیوں کے لئے لکھی ہے جو مختلف جرائم کے ارتکاب کی بناء پر جیلوں میں سزائیں بھگت رہے ہیں جیلوں میں اگر قیدیوں کی اصلاح و تربیت کے لئے اس طرح کا مفید لٹریچر وسیع پیمانہ پر تیار کر کے اس سے مناسب انداز میں کام لیا جائے تو معاشرہ میں بڑی تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔ میں فاضل مصنف اور اپنے عزیز دوست جناب ظفر اللہ خان صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے اس ضرورت کو بروقت محسوس کیا اور یہ مفید کتاب تصنیف فرمائی

محمود احمد غازی

اسلام آباد
۲۸ فروری ۱۹۹۳ء

پیش لفظ

جب اپریل 1985ء میں میں نے دعوۃ اکیڈمی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں تحقیق و تدریس شروع کی تو محترمی ڈاکٹر انیس احمد (جو اس وقت دعوۃ اکیڈمی کے ڈائریکٹر جنرل تھے) کی ترغیب پر سوسائٹی کے مختلف طبقات کے لئے سادہ ترین زبان میں اسلامی لٹریچر تیار کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ عمرکوٹ میں اپنی تقرری کے دوران پرائمری پاس قیدیوں کے لئے یہ کتابچہ لکھنا شروع کیا۔ مگر اس کے مضامین عام آدمی کے لئے بھی اتنے ہی مفید ہو سکتے ہیں۔

اس رسالہ میں قاری کو توبہ کی طرف متوجہ کر کے بنیادی عبادات کی طرف مائل کرتے ہوئے اعلیٰ انسانی اخلاق اپنانے کی دعوت دی گئی ہے۔ آخر میں حضرت یوسف علیہ السلام کا نصیحت آموز قصہ بیان کیا گیا ہے۔

قارئین سے درخواست ہے کی میری۔ میرے والدین۔ اور متعلقین کے دین و دنیا کی بھلائی کے لئے دعا فرما دیں۔ اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ اس حقیر کوشش کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ قبول فرمائے

ظفر اللہ خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عنوانات

۵

گناہوں سے توبہ

حدیث شریف میں ارشاد ہے "ہر انسان غلطی کرنے والا ہے۔ اور اچھا غلطی کرنے والا وہ ہے جو توبہ کرے" (ترمذی) یہ تو طے شدہ ہے کہ ہم میں سے ہر آدمی خطا کار ہے۔ کوئی ظاہری گناہوں میں مبتلا ہے۔ تو کوئی باطنی گناہوں (حسد' غصہ' غیبت' تکبر وغیرہ) میں مبتلا ہے۔ کوئی کم گنہگار ہے تو کوئی زیادہ اور خطا کاری پہلے دن سے ہی آرہی ہے۔

جب اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو انہیں حکم دیا کہ اس درخت کے قریب نہ جاؤ۔ وہ اس درخت کے قریب چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوگئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ اے آدم تو نے یہ کیا کیا؟ تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ "اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور اگر تو ہمیں معاف نہ کرے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو جائیں گے۔" جس سے معلوم ہوا کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے فورا" اپنی غلطی مان لی اور کوئی بحث نہیں کی۔ کوئی بہانہ نہیں ڈھونڈھا۔

اس کے برعکس جب ابلیس (شیطان) نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حضرت آدم کو سجدہ نہ کیا تو اللہ تعالی نے پوچھا کہ "اے ابلیس' تو نے آدم کو سجدہ کیوں نہ کیا؟ تو ابلیس نے بہانے ڈھونڈھے' بحث و تمحیص کی' اپنی غلطی نہیں مانی اور معافی کا طلب گار نہ ہوا۔

ان دو قصوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان اور شیطان میں یہی فرق ہے کہ انسان غلطی کر کے اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہے اور معافی طلب کرتا ہے۔ جبکہ شیطان غلطی کر کے شرمندہ نہیں ہوتا اور معافی طلب

نہیں کرتا۔

اللہ تعالی کی اپنی مخلوق سے محبت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ جب کوئی گنہگار انسان سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ پاک بہت ہی خوش ہوتے ہیں۔ مشہور صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بیان کی ہے:

"اللہ تعالی اپنے مومن بندے کی توبہ سے اس مسافر سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو (سفر کے دوران) کسی ایسی غیر آباد زمین پر اتر گیا ہو جو ہلاکت کے اسباب سے بھرپور ہو۔ اس کے ساتھ بس اس کی سواری کی اونٹنی ہو جس پر کھانے پینے کا سامان ہو۔ پھر وہ (آرام کرنے کے لئے) سر رکھ کر لیٹ جائے پھر اسے نیند آجائے پھر اس کی آنکھ کھلے تو دیکھے کہ اس کی اونٹنی (پورے سامان سمیت) غائب ہے۔ پھر وہ اس کی تلاش میں پریشان ہو۔ یہاں تک کہ گرمی اور پیاس کی شدت سے اس کی جان پر بن آئے تو وہ سوچنے لگے کہ میرے لئے اب یہی بہتر ہے کہ میں اسی جگہ جا کر پڑ جاؤں (جہاں سویا تھا) یہاں تک کہ مجھے موت آ جائے۔ پھر وہ اسی ارادہ سے وہاں آکر اپنے بازو پر سر رکھ کر مرنے کے لئے لیٹ جائے پھر اس کی آنکھ کھلے تو دیکھے کہ اس کی اونٹنی اس کے پاس موجود ہے۔ اس پر کھانے پینے کا پورا سامان جوں کا توں ہے۔ تو جتنا خوش یہ مسافر اپنی اونٹنی کے ملنے سے ہو گا۔ خدا کی قسم! مومن بندے کے توبہ کرنے سے خدا اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔ (بخاری مسلم) بلکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دیہاتی مسافر کی خوشی کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اونٹنی کے اس طرح مل جانے سے وہ اتنا خوش ہوا کہ اللہ تعالی کی رحمت کے اعتراف کے طور پر وہ کہنا چاہتا تھا کہ

"اے اللہ! بس تو ہی میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ" لیکن خوشی کی سرمستی میں اس کی زبان بہک گئی اور اس نے کہا "میرے اللہ! بس تو میرا بندہ اور میں تیرا خدا" نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلطی کی معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ "بے حد خوشی کی وجہ سے اس بیچارے کی زبان بہک گئی۔"

ایک عورت تھی جو بڑے والہانہ انداز میں اپنے بچے کو بار بار اٹھاتی، سینے سے لگاتی اور دودھ پلاتی تھی۔ دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا تھا کہ ماَمتا کے جذبہ سے اس کا دل لبریز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: "خدا کی قسم! اللہ تعالی کی ذات میں اپنے بندوں کے لئے اس سے زیادہ پیار اور رحم ہے جتنا کہ اس ماں میں اپنے بچے کے لئے ہے (بخاری۔ مسلم)

اس حدیث پر مجھے ایک واقعہ یاد آرہا ہے۔ ایک اللہ والے تھے۔ اپنے نفس اور شیطان کے بہکاوے میں آگئے۔ غلط راستے پر چل نکلے۔ ایک دن ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک گھر کا دروازہ کھلا۔ ایک بچہ روتا چلاتا ہوا اس میں سے نکلا۔ اس کی ماں اس کو دھکے دے دے کر نکال رہی تھی۔ جب وہ دروازہ سے باہر ہوگیا۔ تو ماں نے اندر سے دروازہ بند کرلیا۔ بچہ اسی طرح روتا چلاتا کچھ دور تک گیا۔ ایک جگہ پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ اور سوچنے لگا کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر کے سوا کہاں جا سکتا ہوں؟ اور کون مجھے پناہ دے سکتا ہے؟ یہ سوچ کر ٹوٹے دل کے ساتھ اپنے گھر کی طرف لوٹ پڑا۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ دروازہ اندر سے بند ہے۔ وہ بیچارہ چوکھٹ پر سر رکھ کر سو گیا۔ ماں آئی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ اپنے بچے کو اس طرح سوتے دیکھ کر اس کا دل بھر آیا۔ ماَمتا کا جذبہ غالب آگیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ بچے کو اٹھایا۔ سینے سے لگایا۔ پیار

کرنے لگی اور کہا "بیٹے! تو نے دیکھا' تیرے لئے میرے سوا کون ہے؟ تو نے نادانی کا راستہ اختیار کر کے مجھے وہ غصہ دلایا جو میری فطرت میں نہیں ہے۔ میری فطرت کا تقاضا یہی ہے کہ میں تجھ سے پیار کروں۔ تیرے لئے بھلائی چاہوں" یہ قصہ دیکھنے کے بعد اس اللہ والے نے اپنے گناہوں کی توبہ کی اور اپنے مالک سے ٹوٹے ہوئے رابطے پھر سے بحال کئے۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ ایسے تھے جنھوں نے قتل کئے تھے اور بہت کئے تھے۔ زنا کا ارتکاب کیا تھا اور بہت کیا تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جس دین کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں وہ ہے تو بہت اچھا لیکن فکر یہ ہے کہ ہم اتنے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کر چکے ہیں۔ اب ہم اگر مسلمان بھی ہو گئے تو کیا ہماری توبہ قبول ہو سکے گی؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (بخاری) "اے میرے بندو! جنھوں نے (کفر و شرک کر کے) اپنے اوپر زیادتیاں کیں ہیں۔ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو بے شک اللہ تعالیٰ تمام (گزشتہ) گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے۔" (سورہ زمر آیت ۵۳)

حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری عزت و جلال کی قسم! جب تک بندہ توبہ کرتا رہے گا۔ میں اس کو بخشتا رہوں گا۔ بعض توبہ کرنے والوں کے لئے تو یہاں تک فرما دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتے ہیں۔ سید ابوبکر غزنویؒ فرماتے ہیں کہ گنہگار کے آنے سے (جب توبہ کی نیت سے آتا ہے) اتنی رحمت نازل ہوتی ہے کہ خود ہمارے ذکر کرنے سے اتنی رحمت نازل نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جب کوئی نام نہاد متقی (نیک) مجلس میں آتا ہے تو اس کے تکبر کی بدبو سے مجلس خراب ہو جاتی ہے۔

قرآن شریف میں ارشاد ہے "اے ایمان والو! اللہ کے سامنے توبتہ نصوحا (سچی توبہ)" کرو۔ عین ممکن ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ معاف کر دے۔ اور تمہیں ایسی جنت میں داخل کرے جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں (تحریم آیت ۸) ایک حدیث میں اس آیت کی تشریح ملتی ہے۔ ابی بن کعب نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس کا مطلب ہے کہ جب تم غلطی کرو تو اس پر پچھتاؤ۔ پھر اللہ تعالی سے معافی مانگو اور پھر آئندہ ایسی غلطی کبھی نہ کرو۔"

حضرت علیؓ نے ایک بار ایک بدو (دیہاتی) کو توبہ کے الفاظ جلدی جلدی کہتے سنا تو فرمایا کہ یہ جھوٹوں کی توبہ ہے۔ اس آدمی نے سوال کیا تو پھر سچی توبہ کیا ہے؟ حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا کہ سچی توبہ چھ چیزوں پر مشتمل ہے (۱) اپنی غلطی پر شرمندگی کا احساس ہونا چاہئے۔ (۲) جو فرائض ادا نہیں کئے انہیں پورا کرنا چاہئے (۳) جو حقوق غصب کئے ہیں انہیں واپس کرنا چاہئے۔ (۴) جس آدمی کو نقصان پہنچایا ہے اس سے معافی مانگنی چاہئے۔ (۵) عہد کرنا چاہئے کہ پھر یہ غلطی نہیں کروں گا۔ (۶) اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگا دینا چاہئے۔

مجھ جیسے کم عملوں اور کم ہمتوں کو چاہئے کہ دو رکعت نماز نفل توبہ کی نیت سے پڑھ کر یہ دعا مانگیں:

اے اللہ! میں آپ کا سخت نافرمان بندہ ہوں۔ میں آپ کی فرمانبرداری کا ارادہ کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میری اصلاح ہو جائے مگر ہمت نہیں ہوتی۔ میری اصلاح آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اے اللہ! میں سخت نالائق ہوں۔ سخت گناہگار ہوں۔ میں عاجز ہوں۔ میری مدد فرمائیے۔ میرا دل ضعیف ہے۔ گناہوں سے بچنے کی قوت نہیں ہے۔ آپ ہی قوت دیجئے۔ اے اللہ! جو

گناہ میں نے اب تک کئے ہیں۔ انہیں اپنی رحمت سے معاف فرمائیے۔ اے میرے اللہ! مجھ پر رحم کر۔ کرم کر۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو برداشت کرنے والا ہے۔ کرم فرمانے والا ہے۔ تیری ذات پاک ہے۔ تیرا اقتدار بڑا ہے۔ یااللہ! تیرا شکر ہے۔ تو جہانوں کا رب ہے۔ مجھے ایسے کام کرنے کی توفیق دے جن سے تیری رحمت نازل ہو۔ میں تجھ سے اطاعت کی توفیق چاہتا ہوں۔ پھر گناہ سے بچا رہنے کی توفیق چاہتا ہوں۔ اے اللہ! میرے تمام گناہ بخش دے۔ میرے دل کے تمام فکر دور کر دے۔ میری ہر حاجت کو پورا کر دے۔ اے سب سے بڑے رحم کرنے والے میری دعا قبول فرما۔"

پانچ وقت کی نماز

اسلام کے پانچ بنیادی ارکان ہیں: (۱) کلمہ طیبہ کی گواہی دینا۔ (۲) نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوۃ ادا کرنا۔ (۴) حج کرنا۔ (۵) رمضان شریف کے روزے رکھنا۔ گویا کہ یہ پانچ ستون ہیں جن پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے۔ آپ خود اندازہ لگائیں کہ ستونوں کے بغیر عمارت کا کیا حال ہو گا؟

نماز پڑھنے سے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپؐ ارشاد فرماتے تھے "بتاؤ اگر کسی شخص کے دروازہ پر ایک نہر جاری ہو جس میں وہ پانچ مرتبہ روزانہ غسل کرتا ہو۔ کیا اس کے جسم پر کچھ میل باقی رہے گا؟" صحابہ کرام نے عرض کیا، کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔ حضورؐ نے فرمایا "یہی حال پانچوں نمازوں کا ہے کہ اللہ جل شانہ ان کے دم سے گناہوں کو ختم کر دیتے ہیں"۔

نماز اللہ پاک کی بڑی رحمت ہے۔ اس لئے ہر پریشانی کے وقت میں نماز کی طرف متوجہ ہونا اللہ کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا سبب بنتا ہے۔ نیک لوگوں کا یہی معمول ہے کہ ہر پریشانی کے وقت نماز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ کسی بھی مشکل و تکلیف کے وقت نہایت اخلاص کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھیں اور پھر اللہ میاں سے نہایت سچے دل سے دعا کریں۔ اللہ میاں یقیناً" اپنی رحمت سے ہمارے سارے مسائل حل کر دے گا۔ یہ تو رہا دنیا کا معاملہ۔ آخرت میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو اپنی ذمہ داری پر جنت میں داخل کرائیں گے جس نے پانچوں نمازیں اپنے وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کیا ہو گا۔

نبی پاکؐ نے نماز چھوڑنے پر اللہ تعالیٰ کے بہت سے عذابوں سے خبر دار کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا نماز چھوڑنا انسان کو کفر سے ملا دیتا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ایمان و کفر کے درمیان نماز چھوڑنے کا فرق ہے۔ ایک اور

حدیث میں ارشاد ہے کہ جس شخص کی ایک نماز بھی فوت ہوگئی وہ ایسا ہے کہ گویا اس کے گھر کے لوگ مال و دولت سب چھین لیا گیا ہو۔

جو آدمی نماز نہیں پڑھتا اس کی زندگی میں برکت نہیں رہتی۔ اس کے چہرے سے صلحاء (نیک لوگ) کا نور ہٹا دیا جاتا ہے۔ اس کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ نیک لوگوں کی دعاؤں میں اس کا حق نہیں رہتا۔ وہ ذلت سے مرتا ہے۔ بھوکا مرتا ہے۔ پیاس کی شدت سے موت آتی ہے۔ اس پر قبر تنگ ہوتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جماعت کی نماز اکیلے کی نماز سے ستائیس درجہ زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے ہم کو چاہئے کہ جب نماز پڑھنی ہو تو مسجد میں جاکر پڑھیں تاکہ ثواب ستائیس گنا زیادہ ملے۔

حضورؐ کے زمانے میں تو صرف وہ آدمی جماعت سے نماز نہ پڑھتا تھا جو کھلم کھلا منافق ہوتا تھا۔ ورنہ عام منافقوں کو بھی جماعت چھوڑنے کی ہمت نہ تھی۔ حتی کہ سخت بیمار بھی لوگوں کے سہارے آتے تھے اور مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتے تھے اور تکبیر اولیٰ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص چالیس دن اخلاص کے ساتھ اس طرح نماز پڑھے کہ تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو تو اس کو دو پروانے ملتے ہیں۔ ایک پروانہ جہنم سے چھٹکارے کا دوسرا نفاق سے بری ہونے کا۔ (تکبیر اولیٰ اس "اللہ اکبر" کو کہتے ہیں جو امام نماز کو شروع کرتے وقت کہتا ہے)۔

ہمارے ہاں ایک عجیب غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ مولوی صاحب کے بغیر جماعت نہیں ہوتی۔ اچھا ہے کہ آدمی مسجد میں جائے اور مولوی صاحب کے پیچھے باقاعدہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھے مگر ایسی جگہوں پر جہاں مولوی صاحب نہ ہوں وہاں موجود لوگوں میں سے کسی کو اپنا امام بنا لینا چاہئے اور نماز جماعت سے ادا کرنی چاہئے۔ یہ عجیب غلط تاثر پایا جاتا ہے کہ امام پر نماز

پڑھانے کا بوجھ ہوتا ہے۔ نیکی کرنے کا کیا بوجھ؟ اللہ کی رحمت پر نظر رکھتے ہوئے خوشی خوشی نماز پڑھانی چاہئے۔

جب ہم وقت نکال کر کاروبار وغیرہ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں تو کوشش کرنی چاہئے کہ ہماری نماز اللہ کے ہاں زیادہ سے زیادہ قبول ہو۔ جس قدر اخلاص زیادہ ہو گا اسی درجہ مقبولیت ہوگی۔ حضرت معاذؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس نے مجھے یمن بھیجا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا "بڑی خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے بے خبر ہیں۔ جو ایسے ہی دکھاوے کے لئے نماز پڑھتے ہیں۔"

سورۃ مومنون میں مومنین کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بیان کی گئی ہے کہ مومن اپنی نمازوں میں خشوع (دھیان) کرتے ہیں۔

نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ آدمی نماز سے فارغ ہوتا ہے اور اس کے لئے ثواب کا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے۔ اس طرح بعض کے لئے نواں حصہ بعض کے لئے آٹھواں ، ساتواں، چھٹا، پانچواں، چوتھائی، تہائی، آدھا حصہ لکھا جاتا ہے"۔ یعنی جس درجے کا اخلاص ہو گا اتنی ہی مقدار میں اجر ملتا ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ ہم نماز فرض ،سنت، مستحب وغیرہ کی رعایت کرتے ہوئے اپنا پورا دھیان اللہ عزوجل کی طرف رکھیں جیسا کہ حدیث جبریل میں ارشاد ہوا ہے کہ "اے انسان تو ایسے عبادت کر جیسے کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہو اگر ایسا نہ کر سکے تو یہ خیال کر کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔" نماز میں دھیان کا اس سے بڑا اور کیا نسخہ ہو سکتا ہے۔ ویسے بھی زندگی کے چراغ کا پتہ نہیں کب بجھ جائے۔ اس لئے ہمیں ہر نماز کو آخری نماز سمجھ کر ادا کرنا چاہئے۔

صحابہ کرامؓ اور دوسرے نیک لوگ جب نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو اللہ سے ڈرتے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وضو فرماتے تو چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔ کسی نے پوچھا کیا بات ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ ایک بڑے جبار بادشاہ

کے دربار میں کھڑے ہونے کا وقت آگیا ہے۔

حضرت زین العابدینؒ جب وضو فرماتے تھے۔ تو چہرہ زرد ہو جاتا تھا اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔ تو بدن پر لرزہ آجاتا تھا۔ کسی نے دریافت کیا تو فرمایا کیا تمہیں خبر نہیں کہ کس کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں۔ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے کہ گھر میں آگ لگ گئی یہ نماز میں مشغول رہے لوگوں نے عرض کی تو فرمایا کہ دنیا کی آگ سے آخرت کی آگ نے غافل رکھا۔

حضرت عصامؒ نے حضرت حاتم سے پوچھا کہ نماز کس طرح پڑھتے ہیں۔ فرمایا کہ "جب نماز کا وقت آتا ہے تو نہایت اطمینان سے اچھے طریقے سے وضو کرتا ہوں پھر وہاں پہنچتا ہوں جہاں نماز پڑھنا ہوتی ہے۔ نہایت اطمینان سے کھڑا ہوتا ہوں گویا کعبہ میرے منہ کے سامنے ہے میرا پاؤں پل صراط پر ہے دائیں طرف جنت ہے بائیں طرف دوزخ ہے۔ موت کا فرشتہ میرے سر پر ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری آخری نماز ہے اس کے بعد نہایت عاجزی سے اللہ اکبر کہتا ہوں۔ پھر قرآن مجید کے معنی کو سوچ کر تلاوت کرتا ہوں عاجزی کے ساتھ رکوع کرتا ہوں عاجزی کے ساتھ سجدہ کرتا ہوں اور عاجزی کے ساتھ نماز پوری کرتا ہوں اس طرح اللہ کی رحمت سے اس کے قبول ہونے کی امید رکھتا ہوں اور اپنے اعمال کی نحوست سے نامنظور ہونے کا خوف رکھتا ہوں عصام نے پوچھا کہ کتنی مدت سے آپ ایسی نماز پڑھتے ہیں تو حضرت حاتم نے فرمایا تیس برس سے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حاتم جماعت سے نماز نہ پڑھ سکے جس سے ان کو بہت دکھ ہوا۔ ایک دو ملنے والوں نے افسوس کا اظہار کیا اس پر رونے لگے۔ فرمایا کہ اگر میرا بیٹا مرجاتا تو آدھا شہر افسوس کو آتا نماز کے فوت ہونے پر ایک دو آدمیوں نے تعزیت کی۔ یہ صرف اس وجہ سے کہ دین کی مصیبت لوگوں کی نظر میں دنیا کی مصیبت سے ہلکی ہے۔

تلاوت قرآن پاک

قرآن شریف اللہ کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجی جانے والی کتابوں میں سے آخری کتاب ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریباً ۲۳سال میں آہستہ آہستہ نازل ہوئی۔ قرآن مجید کا پڑھنا باعث ثواب اور سمجھنا باعث نجات ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ "تم میں سب سے اچھا شخص وہ ہے جو قرآن شریف کو سیکھے اور سکھائے۔" (بخاری)

عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ نبی کریمؐ تشریف لائے ہم لوگ صفہ میں بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں کون شخص اس کو پسند کرتا ہے کہ صبح صبح بازار بطحان یا عقیق (مدینہ کے دو بازاروں کے نام ہیں جہاں اونٹوں کی منڈی لگتی تھی) میں جائے اور دو اونٹ بغیر گناہ اور قطع رحمی (چھین کر یا رشتہ داروں سے زبردستی) لے آئے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اس کو تو ہم میں سے ہر ایک شخص پسند کرے گا۔ حضور نے فرمایا کہ مسجد میں جا کر دو آیتوں کا پڑھنا یا پڑھا دینا دو اونٹوں سے تین آیات کا تین اونٹوں سے اور چار کا چار سے افضل ہے۔ (مسلم)

اس حدیث شریف میں فانی چیزوں سے باقی رہنے والی اشیاء کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ایک دو اونٹ کے بجائے اگر دس بادشاہتیں بھی مل جائیں تو ایک نہ ایک دن ختم ہو جائیں گی۔ ہم سے جدا ہو جائیں گی۔ مگر قرآن پاک کی آیات ہمیشہ ساتھ رہیں گی کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قرآن شریف قیامت کے دن اللہ عزوجل کے عرش کے نیچے ہو گا اور اپنے پڑھنے والوں کے لئے اللہ سے جھگڑے گا۔

حضرت ابن مسعودؓ نے آپؐ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص ایک حرف قرآن پاک کا پڑھے اس کے لئے اس حرف کے عوض ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا اجر دس نیکیوں کے برابر ملتا ہے۔ (ترمذی) آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جس شخص

نے قرآن پاک پڑھا اور اس پر عمل کیا اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی آفتاب سے بھی زیادہ ہوگی۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن شریف کی تلاوت اور اس پر عمل' تلاوت کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے کو تو فائدہ دے گا ہی اس کے والدین کو بھی آخرت میں عزت و مرتبہ دے گا۔

نبی پاکؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کے لئے کوئی شرافت ہوتی ہے جس پر اسکو فخر ہوتا ہے۔ میری امت کی شرافت قرآن مجید ہے قران مجید حکمت کا وہ خزانہ ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو دونوں جہانوں کے خزانے مل جائیں مگر ہماری بد قسمتی ہے کہ ہم نے اس کو قسم اٹھانے اور موت کو آسان بنانے کے لئے مخصوص کرلیا ہے۔

آپؐ کا فرمان ہے کہ جس شخص نے قرآن پڑھا پھر اس کو حفظ کیا اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا (یعنی اس پر عمل کیا) تو اللہ تعالی اس کو جنت میں داخل فرمادیں گے"۔ اس لئے کہ قرآن پاک انسانوں کو اس دنیا میں رہنے کا وہ اعلی طریقہ سکھانے آیا ہے۔ جس سے آخرت کی کامیابی یقینی ہے۔ یہ قرآن ہی تھا جس پر عمل کرکے صحابہ کرامؓ ایک نہایت ہی مختصر سے عرصہ میں اک عالم پر غالب آگئے اور اپنی تہذیب غالب کردی قرآن پاک تو اللہ میاں کا نسخہ ہے اور نسخہ کا فائدہ اسی وقت ہوتا ہے جب اس پر عمل کیا جائے۔ اس نسخہ کی قسم اٹھانے یا اسے گلے میں باندھنے سے کیا فائدہ؟

جب ہم تلاوت کرنا چاہیں تو ہمیں چاہیے کہ مسواک اور وضو کے بعد کسی اچھی سی جگہ پر نہایت توجہ سے تلاوت کریں۔ اس طرح سے پڑھیں کہ گویا خود اللہ تعالی کو کلام پاک سنا رہے ہیں۔ اگر ترجمہ سمجھتے ہوں تو معنی پر غورو فکر کرنا چاہیے۔ جب رحمت کی آیات آئیں تو رحمت کی دعائیں مانگیں۔ جب عذاب کی آیات آئیں تو اللہ پاک سے پناہ مانگنی چاہیے۔ تلاوت میں رونے کو کوشش کرنی

چاہیے۔ اگر خود بخود رونا نہ آئے تو باتکلف رونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ قرآن پاک کو پڑھنے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے۔ قران پاک کو اونچی جگہ پر رکھنا چاہیے۔ لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوں تو آہستہ آہستہ پڑھنا چاہیے اگر الگ بیٹھے ہوں تو اونچی آواز سے پڑھنا افضل ہے۔

قرآن پاک کی عظمت ہر وقت دل میں رہنی چاہیے کہ کتنا اعلیٰ کلام ہے۔ ہمارے نبی پاکؐ نے ایک پوری رات اس آیت کی تلاوت میں گزار دی "اے اللہ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ ترے بندے ہیں اور اگر مغفرت فرما دے تو، تو عزت والا اور حکمت والا ہے" (سورۃ توبہ) حضرت سعید بن جبیرؒ نے ایک رات اس آیت کو پڑھتے پڑھتے گزار دی "او مجرمو! آج قیامت کے دن فرماں برداروں سے الگ ہو جاؤ" (سورۃ یٰسین) حضرت عکرمہؓ جب کلام پاک کو تلاوت کے لئے کھولتے تو بے ہوش ہو کر گر جاتے اور زبان پر جاری ہو جاتا تھا یہ مرے رب کا کلام ہے یہ مرے رب کا کلام ہے۔

قرآن پاک کو بہت اچھے انداز سے پڑھنا چاہیے نبی پاکؐ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کسی کی طرف اتنی توجہ نہیں فرماتے جتنی کہ اس کی طرف توجہ فرماتے ہیں جو اللہ کا کلام اچھے انداز سے پڑھ رہا ہو (بخاری) ہاں البتہ یہ ضروری ہے کلام پاک کو گانے کے انداز میں نہیں پڑھنا چاہئے۔

ہمیں چاہئے کہ دن رات میں کم از کم دس آیات تو ضرور تلاوت کریں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ "دس آیات کا پڑھنے والا غافلین (غفلت کرنے والے) میں شمار نہیں ہو گا" اور اس میں دیر کتنی لگتی ہے۔ اگر ہم ہمت کر کے ایک دفعہ دس آیات (چاہے چھوٹی چھوٹی ہی کیوں نہ ہوں) یاد کر لیں تو پھر اس کی روزانہ تلاوت اور بھی آسان ہے۔ اس لئے کہ زبانی تلاوت کے لئے وضو وغیرہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

اللہ کا ذکر

قرآن مجید میں اللہ پاک نے ذکر کا بار بار تذکرہ کیا ہے۔ ذکر کرنے کے فوائد بتلائے ہیں۔ ذکر نہ کرنے کے نقصانات سمجھائے ہیں۔ اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ذکر کیا ہے؟ ذکر یاد کو کہتے ہیں۔ ذکر اللہ سے مراد اللہ پاک کا دھیان ہے کہ ہر وقت انسان کو احساس ہو کہ کوئی بڑی ہستی اس کے ساتھ موجود ہے۔ اس پر رحم کر رہی ہے۔ اس کے اعمال دیکھ رہی ہے۔ ذکر کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ انسان ہر موقع سے متعلق اللہ کے حکم کو سمجھے اور اس پر عمل کرے۔ اٹھتے بیٹھتے' چلتے پھرتے' سوتے جاگتے' کام کرتے' کاروبار کرتے اللہ کے احکامات پر غور کرتا رہے اور ان پر اپنی کوشش کی حد تک عمل کرتا رہے۔

قرآن کریم کی چند آیات لکھنا مناسب سمجھتا ہوں! "تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا" اس سے کئی چیزیں مراد ہیں کہ انسان پر رحمت کروں گا۔ فرشتوں کی محفل میں ذکر کروں گا۔ عزت دوں گا وغیرہ وغیرہ "عقل مند لوگ وہ ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں (کہتے ہیں) اے ہمارے رب آپ نے یہ سب بیکار پیدا نہیں کیا ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں آپ ہم کو جہنم کے عذاب سے بچائیے۔" "منافق اللہ کا تھوڑا ذکر کرتے ہیں (نساء) (شیطان چاہتا ہے) کہ تم کو اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے (مائدہ) اے نبیؐ اپنے رب کو صبح و شام یاد کیا کرو دل ہی دل میں۔ زاری اور خوف کے ساتھ اور زبان سے بھی اور ہلکی آواز کے ساتھ بھی۔ (اعراف) "اے ایمان والو! تم اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کیا کرو۔ اور صبح و شام اسی کی تسبیح کرتے رہو۔" (سورۃ

احزاب)   "اے ایمان والو! تم کو تمھارے مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرنے پائیں۔ جو لوگ ایسا کریں گے وہ خسارے والے ہیں۔" (منافقون)

حدیث شریف کی ہر کتاب میں ذکر کے بارے میں تفصیلی احادیث آئی ہیں۔ حضرت ابوھریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کہ میں بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان (ظن) رکھتا ہے۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے تو اس مجمع سے بہتر مجمع (معصوم فرشتوں کی محفل) مجمع میں تذکرہ کرتا ہوں اور اگر بندہ میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ ادھر متوجہ ہوتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔" (بخاری مسلم) اس حدیث میں یہ بات سب سے اہم ہے کہ اللہ بندے کے ساتھ اس کے گمان کے موافق معاملہ کرتے ہیں۔ اس لئے اللہ پاک سے اس کے لطف و کرم کی امید رکھنا چاہئے۔ اس کی رحمت سے ہرگز مایوس نہیں ہونا چاہئے۔

ایک صحابیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ویسے تو شریعت کے احکامات بہت سے ہیں مجھے ایک چیز ایسی بتا دیجئے جس کو میں اپنا مشغلہ بنا لوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ذکر سے ہر وقت تیری زبان تر رہے (احمد ترندی) اس لئے کہ ذکر دلوں کی صفائی کرنے والی چیز ہے اور یہ عبادت ہر وقت ہو سکتی ہے اور ہر وقت دل اللہ کے ساتھ وابستہ ہو سکتا ہے۔ حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کی مثال زندہ کی ہے اور جو ذکر نہیں کرتا اس کی مثال مردہ کی ہے۔

آخر میں ایک بہت ہی خوبصورت حدیث لکھتا ہوں۔ حضورؐ کا ارشاد

ہے کہ ''سات آدمی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ رحمت کے سائے میں اس دن جگہ عطا کرے گا جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ایک عادل بادشاہ، دوسرے وہ جوان جو جوانی میں اللہ کی عبادت کرتا ہے، تیسرا وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہو، چوتھے وہ دو شخص جن میں اللہ کے واسطے محبت ہو۔ اسی پر ان کا اجتماع ہو اسی پر جدائی۔ پانچواں وہ شخص جسے کوئی اعلیٰ خاندان والی حسین عورت اپنے طرف بلائے مگر وہ کہہ دے کہ مجھے اللہ کا ڈر ہے، چھٹا وہ شخص جو ایسے خفیہ طریقے سے صدقہ کرے کہ دوسرے ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو۔ ساتواں وہ شخص جو اللہ کا ذکر تنہائی میں کرے اور آنسو بہنے لگیں (بخاری و مسلم)

حضور اقدس کا ارشاد ہے کہ تمام اذکار سے افضل **لاالہ الا اللہ** ہے۔ یہ کلمہ پاک دین کی اصل ہے۔ ایمان کی جڑ ہے۔ اس لئے اس کا جتنا بھی ذکر کیا جائے اتنا ہی ایمان مضبوط ہو گا۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ میاں کی جناب میں عرض کیا کہ مجھے کوئی ورد تعلیم دیجئے جس سے آپ کو یاد کیا کروں۔ ارشاد خداوندی ہوا **لاالہ الا اللہ** کہا کرو۔ عرض کیا میرے رب میں کوئی خاص چیز مانگتا ہوں۔ یہ ذکر تو سب لوگ کرتے ہیں۔ تو ارشاد ہوا کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور دوسری طرف **لاالہ الااللہ** کو رکھ دیا جائے تو کلمہ والا پلڑا جھک جائے گا۔ ایک بار صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ایمان کی تجدید کس طرح کریں؟ آپ نے فرمایا کہ **لا الہ الا اللہ** کو کثرت سے پڑھتے رہا کرو۔

اکثر لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ کلمہ دن میں کتنی بار پڑھا جائے تو عرض ہے کہ اپنے محبوب دوست (اللہ میاں) سے کیا حساب کرنا کہ جس سے محبت ہو ان سے حساب و کتاب نہیں کیا جاتا۔ حساب تو غیروں سے کیا جاتا ہے۔ بس

اپنی سہولت کے لئے کوئی مقدار طے کی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ " جو شخص روزانہ سو مرتبہ **لاالہ الااللہ** پڑھا کرے گا تو اللہ پاک قیامت کے دن اس کو ایسا روشن چہرہ عطا کریں گے جیسے چودھویں کا چاند ہوتا ہے "۔

تسبیحات فاطمہؓ بھی ایک بہت اعلیٰ ذکر ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود چکی پیستی تھیں۔ جن سے ان کے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے۔ خود ہی مشک بھر کر لاتی تھیں جس سے سینے پر رسی کے نشان پڑ گئے تھے۔ خود ہی جھاڑو دیتی تھیں جس کی وجہ سے کپڑے میلے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لونڈی غلام آئے میں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ تم اگر اپنے والد صاحب کی خدمت میں جا کر ایک خادم مانگ لو تو سہولت رہے گی۔ وہ گئیں حضور اقدسؐ کی خدمت میں لوگوں کا مجمع تھا اس لئے واپس آگئی۔ حضور اقدسؐ دوسرے روز خود ہی مکان پر تشریف لائے اور فرمایا کہ تم کل کس کام کے لئے آئی تھیں؟ وہ شرم سے چپ رہ گئیں۔ میں نے عرض کیا حضور چکی سے ہاتھ میں نشان پڑ گئے۔ مشکیزہ بھرنے سے سینے پر نشان ہیں اور جھاڑو سے کپڑے میلے رہتے ہیں۔ کل آپ کے پاس کچھ غلام لونڈی آئے تھے اس لئے میں نے ان سے کہا کہ ایک خادم اگر مانگ لائیں تو ان مشقتوں سے سہولت ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہؓ اللہ سے ڈرتی رہو۔ اس کے فرض ادا کرتی رہو۔ گھر کا کام خود کرتی رہو۔ جب سونے کے لئے لیٹو تو **سبحان اللہ** (اے اللہ تو پاک ہے) ۳۳ مرتبہ' **الحمد للہ** (اے اللہ تیرا شکر ہے) ۳۳ مرتبہ' **اللہ اکبر** (اے اللہ تو بڑا ہے) ۳۴ مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ یہ خادم سے بہتر ہے۔ انہوں نے فرمایا میں اللہ اور اس کے رسول سے

راضی ہوں۔ اس قسم کی بھی روایات ملتی ہیں کہ یہ کلمات اس تعداد میں ہر نماز کے بعد پڑھے جائیں۔

بخاری شریف کی ایک حدیث بہت دلچسپ ہے۔ حضور اقدسؐ کا ارشاد ہے کہ دو کلمے ایسے ہیں کہ زبان پر بہت ہلکے ہیں مگر ترازو (آخرت) میں ان کا بہت وزن ہے اور اللہ کے نزدیک بہت محبوب ہیں۔ وہ کلمے یہ ہیں: ○ **سبحان اللہ و بحمدہ** ۔ ○ **سبحان اللہ العظیم** (اللہ پاک ہیں۔ تعریفوں کے لائق ہیں، اللہ پاک ہیں۔ وہ بڑے ہیں۔)

استغفار بھی عمدہ ذکر ہے۔ نبی کریمؐ خود روزانہ ستر مرتبہ استغفار کرتے تھے۔ ہمیں بھی اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے استغفراللہ العظیم پڑھتے رہنا چاہئے۔

درود شریف کے تو کیا ہی کہنے۔ جسے خود اللہ پاک پڑھتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پاکؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والوں تم بھی نبی پاکؐ پر سلام بھیجو۔

جب اللہ میاں اور اس کے فرشتے ہمارے نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں ہم پر تو اورزیادہ لازم ہوا کہ ہم بھی صبح و شام اس ذات پر درود بھیجیں جس کی وجہ سے ہم مسلمان ہیں جو آخرت میں ہماری شفاعت کرے گی۔

ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ چھوٹا سا درود یاد کرلیں اور چلتے پھرتے سفر کرتے کام کرتے وقت اسے پڑھتے رہا کریں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں گی کہ بعض احادیث میں آتا ہے کہ ”جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس سے پر دفعہ درود بھیجتے ہیں“ اور درود شریف زیادہ پڑھنے والا ہی آخرت میں نبی پاک کے سب سے زیادہ قریب ہو گا۔ اللہ ہم سب کو آخرت میں حضور پاک کی قربت نصیب فرمائے۔ آپؐ کی شفاعت نصیب فرمائے۔ **الھم صلی علی محمد**۔

سادگی

اگر ہم اپنی ضرورتوں کو سادگی سے پورا کریں تو ہماری زندگی بہت ساری پریشانیوں سے بچ سکتی ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں ہمیں زندگی بہت سادہ اور فطری نظر آتی ہے۔ اس کے بعد دوسری تہذیبوں کے اثرات کی وجہ سے مسلمانوں کی ذاتی اور اجتماعی زندگی۔ گھر اور باہر کی زندگی سادگی سے دور ہوتی چلی گئی۔

انسانی خواہشات کی تو کوئی حد نہیں۔ مگر ہم اپنی ضروریات سادگی کے ساتھ نہایت عمدہ طریقہ سے پوری کر سکتے ہیں اور اگر اپنی بنیادی ضروریات کو تکلف کے ساتھ پورا کرنے کی کوشش کریں گے تو خواہ مخواہ کی پریشانیوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔

حضور اکرمؐ کی زندگی ہمارے لئے زندگی گزارنے کا بہترین نمونہ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ کی زندگی بہت سادہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار آپؐ کے کمرے کی سادگی دیکھی تو عرض کیا کہ قیصرو کسریٰ (روم اور ایران کے بادشاہ) تو زندگی کے مزے لوٹیں اور اللہ کے رسول کا یہ حال ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ اے عمرؓ! کیا تم نہیں چاہتے کہ ہمارے لئے آخرت ہو اور ان کے لئے دنیا۔

اسلام اگرچہ دنیا چھوڑنے کا قائل نہیں ہے۔ لیکن پر تکلف زندگی کے سخت خلاف ہے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں: ''کھاؤ پیو لیکن فضول خرچی نہ کرو'' دوسری جگہ فرمایا کہ ''فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ ایک دفعہ آپؐ نے ایک بڑی عمارت دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا کہ ضرورت کے سوا ہر عمارت انسان کے لئے وبال ہے۔ بلکہ یہاں تک کہ آپؐ تو گھروں

میں غیر ضروری اور مہنگے پردوں کو بھی ناپسند فرماتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غذا نہایت سادہ تھی۔ جو کچھ میسر آتا شوق سے کھا لیتے اور اللہ کا شکر ادا فرماتے۔ اگر کوئی چیز میسر نہ آتی تو صبر فرماتے۔ اگر کوئی چیز کھانے میں پسند نہ آتی تو ناپسندیدگی کا اظہار نہ فرماتے بلکہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتے۔

مسجد نبوی آپؐ کے زمانے میں بالکل سادہ تھی۔ اسکی دیواریں کچی تھیں۔ چھت پر کھجور کے پتے ڈال دیئے گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے حجرے بھی کچی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے۔

سادہ زندگی اختیار کرنے سے آدمی لالچ سے بچ جاتا ہے۔ قرض سے بچ جاتا ہے ذہنی پریشانیاں کم ہو جاتی ہیں۔ زندگی عیش پرستی اور آرام طلبی سے بچ جاتی ہے اس طرح آخرت میں حساب و کتاب آسان ہو جائے گا اور رشوت' بددیانتی' چوری' ڈاکہ جیسی بیماریوں سے ہمارا معاشرہ پاک ہو جائے گا۔

ہم فضول خرچی کر کے غریب لوگوں کے لئے مسائل پیدا کر دیتے ہیں۔ ہماری ٹھاٹ باٹھ والی شادیاں اور قیمتی جہیز غریب بچیوں کی شادیوں میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ ان کے ہاتھ پیلے ہونے کے بجائے سر سفید ہو جاتے ہیں اور وہ اپنی غربت کو وبال جان بنا کر طرح طرح کی نفسیاتی' اخلاقی اور جسمانی امراض کا شکار ہو جاتی ہیں۔ مگر ہم ہیں کہ اس جرم کا احساس ہی نہیں کرتے بلکہ بہت فخر سے کہتے ہیں کہ دیکھو میں نے اس کام پر اتنی دولت لٹا دی۔ ہم یہ بڑی بڑی دعوتیں' قل خوانیاں پارٹیاں رسوم و رواج دوسروں کو متاثر کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ اپنی دولت کا اظہار کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ اپنی بڑائی جتانے کے لئے کرتے ہیں۔ لوگوں کی واہ واہ لینے کے لئے کرتے ہیں۔

اس موقعہ پر مجھے قرآن مجید کی سورہ البلد یاد آ رہی ہے جس میں اللہ پاک شہر مکہ ۔ حضرت آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کی قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ "یہ دنیا انسان کے لئے مزے کرنے کی جگہ نہیں ہے بلکہ محنت کرنے اور سختیاں جھیلنے کی جگہ ہے۔ انسان نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ کوئی اس پر قابو نہیں پا سکے گا۔ انسان فخر سے کہتا ہے کہ دیکھو میں نے ڈھیروں مال اڑا دیا۔ انسان نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا۔ یہ فخر جتانے والا یہ نہیں سمجھتا کہ اوپر کوئی خدا بھی ہے جو دیکھ رہا ہے۔ کن کن ذرائع سے اس نے یہ دولت حاصل کی اور کن کاموں میں اس کھپایا ہے۔ بلکہ انسان کو چاہئے تھا کہ وہ مسکین لوگوں پر مال خرچ کرتا۔ کسی یتیم کی پرورش کرتا۔ رشتہ داروں سے بھلائی کرتا۔" اللہ ہمیں فضول خرچی سے بچائے اور جائز کاموں پر دولت خرچ کرنے کی توفیق دے

صبر و توکل

صبر کے معنی روکنے اور برداشت کرنے کے ہیں۔ طبیعت کے خلاف چیزوں پر ثابت قدم رہنا۔ اپنے آپ کو گھبراہٹ اور بے چینی سے باز رکھنا صبر ہے۔ ہر حال میں اللہ پاک کا شکر کرنا اور زبان پر شکایت نہ لانا صبر ہے۔ مصیبت اور تکلیف میں شور مچانا صبر کے خلاف ہے۔

قرآن پاک میں صبر کو بہت اعلیٰ مقام دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے "بے شک صبر کرنے والوں کو بے شمار اجر دیا جائے گا" دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے "اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے نماز اور صبر کے ساتھ مدد مانگو۔ بے شک اللہ پاک صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

دنیا میں انسان پر طرح طرح کی مصیبتیں سزا کے طور پر آتی ہیں یا درجات کی بلندی کے لئے آتی ہیں یا پھر گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بنتی ہیں۔ اس لئے ہر حال میں اللہ پاک کے سامنے عاجزی کا اظہار کرنا چاہیئے۔ شکوہ و شکایت نہیں کرنی چاہیئے۔ صبر سے بڑے بڑے مصائب کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ یہی زندگی کی کامیابی کا راز ہے۔

ہماری تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ صحابہ کرام اور اولیاء کرام نے پریشانیوں میں غربت میں ہمیشہ صبر و شکر سے کام لیا کبھی شور یا واویلا نہیں کیا بلکہ ہر حال میں اللہ پاک کا شکر ادا کیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب غزوہ احد میں شہید ہوئے تو کفار نے انکی نعش مبارک کا مثلہ کیا (ناک کان کاٹ دیئے)۔ لیکن ان کی ہمشیرہ جب بھائی کی نعش کو دیکھنے آئیں تو انہوں نے کسی بے صبری کا اظہار نہ کیا۔ حضرت خنساء مشہور شاعرہ ہیں۔ ان کے چار جوان بیٹے جنگ قادسیہ میں شہید ہوگئے۔ انہوں نے

شہادت پر کسی پریشانی کا اظہار نہیں کیا بلکہ فرمایا: " خدا کا شکر ہے جس نے اپنے چار بیٹوں کو خدا کی راہ میں شہید کرانے کا شرف بخشا۔"

توکل کے معنی بھروسہ کرنا یا اعتماد کرنے کے ہیں۔ توکل میں آدمی اپنی کوشش کے نتیجہ کو خدا کے سپرد کر دیتا ہے۔ توکل کا مطلب یہ نہیں کہ انسان صرف امید پر بھروسہ کر کے کچھ نہ کرے بلکہ توکل کا مطلب یہ ہے کہ کسی کام میں اپنی پوری توانائی استعمال کر کے اس کے نتیجے کو اللہ پاک کے حوالے کر دیا جائے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا جانے لگا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فوراً" حاضر ہو کر کہا کہ اے پیغمبر خدا! کوئی خدمت؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: "اللہ ہمارے لئے کافی ہے۔ اللہ اچھا نگہبان ہے۔" سورہ طلاق میں ارشاد ہے جو شخص اللہ پر توکل کرے گا۔ اللہ اس کے لئے کافی ہے۔ اس طرح حضرت ابوھریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں وہ لوگ داخل ہوں گے جن کے دل پرندوں کے دلوں کی طرح توکل والے ہوں گے۔ یعنی جیسے پرندے صبح خالی پیٹ رزق کی تلاش میں نکلتے ہیں اور شام پیٹ بھرے واپس لوٹتے ہیں) بلکہ قرآن مجید میں سوال کیا گیا ہے کہ کیا خدا اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟ وہ یقیناً" یقیناً" کافی ہے۔ وہ ساری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے۔ تربیت کرنے والا ہے۔ حفاظت کرنے والا ہے۔ رزق دینے والا ہے۔ اسی لئے ہمیں اس پر مکمل بھروسہ کرنا چاہئے۔

رواداری

رواداری سے مراد دوسرے کالحاظ کرنا۔ رعایت سے پیش آنا۔ دوسرے کا نقطہ ء نظر سن کر برداشت کرنا ہے۔ انسانی مزاجوں میں فرق لازمی بات ہے۔ لہٰذا ایک دوسرے کی طبیعتوں کو برداشت کرتے ہوئے نباہ کرنا ضروری ہے ورنہ جھگڑا ہو جائے گا۔

اسلام رواداری کی تلقین کرتا ہے۔ رواداری کا تقاضا ہے کہ انسان بردبار اور صبر کرنے والا بنے اور معاف کرنے سے کام لے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار نے ہر طرح کی تکلیف پہنچائی مگر آپ نے فتح مکہ کے وقت سب کو معاف کر دیا۔ قرآن پاک میں مسلمانوں کی یہ خوبیاں بیان کی گئی ہیں کہ وہ غصہ پی جاتے ہیں۔ لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں بلکہ ان پر احسان کرتے ہیں اس لئے کہ اللہ پاک احسان کرنیوالوں سے محبت رکھتا ہے۔

اگر کوئی ہم سے بدتمیزی سے پیش آئے اور ہم بھی اس سے بدتمیزی سے پیش آئیں تو پھر دونوں میں کیا فرق رہا؟ اچھے اور برے میں فرق تو اس وقت سامنے آئے گا جب ہم صبر سے کام لیں بلکہ ہو سکے تو اسے معاف کر دیں۔

رواداری میں یہ بھی شامل ہے کہ ہم دوسروں کے عیب نہ بیان کریں۔ ایک دوسرے کی زیادتی برداشت کریں۔ ایک دوسرے کا احترام کریں۔ کسی کو اپنے سے حقیر نہ سمجھیں۔ بلکہ اپنے آپ سے بہتر سمجھیں۔ غرور و تکبر سے بچیں۔ ایثار و قربانی کا مظاہرہ کریں۔ تعصب سے پرہیز کریں۔ پڑوسیوں کے حقوق کا خیال رکھیں۔ دوسروں کی خوشی و غمی کی تقاریب میں شرکت کی جائے۔ اللہ کی مخلوق کی خدمت کی جائے۔ ضبط و تحمل کا مادہ پیدا کیا جائے۔ اختلاف کو ہوا نہ دی جائے اور اقلیتوں کا تحفظ کیا جائے۔

اسلام میں مذہبی تشدد سے منع کیا گیا ہے۔ کسی قوم کے راہنما کو برا بھلا کہنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے تم دوسروں کے جھوٹے بزرگوں کو بھی برا بھلا نہ کہو ورنہ وہ تمہارے سچے بزرگوں کو برا بھلا کہیں گے۔ اس لئے کہ اسلام میں جبر تو ہے نہیں۔ اسلام تو محبت و دعوت سے پھیلا ہے۔ نبی اکرمؐ نے غیر مسلموں سے بھی اعلیٰ رواداری کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ جب وہ کافر تھے تو مدینہ میں آکر آنحضرت کے پاس مہمان ہوئے۔ رات کو تمام بکریوں کا دودھ پی گئے۔ لیکن آپ نے کچھ نہ فرمایا اور تمام رات اہل بیت بھوکے رہے۔ ایک دفعہ سر راہ ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے۔

ایک دفعہ چند یہودی آپؐ کی خدمت میں آئے اور شرارت سے السلام علیکم کے بجائے السام علیکم (آپ پر موت ہو) کہا۔ حضرت عائشہؓ نے غصہ میں آکر ان کو سخت جواب دیا لیکن آپ نے روکا اور فرمایا عائشہؓ نرمی کرو۔ اللہ تعالیٰ ہر بات میں نرمی پسند کرتا ہے۔

عیسائیوں کا وفد جب نجران سے مدینہ حاضر ہوا تو آپؐ نے مہمان نوازی کی۔ اس کو مسجد میں ٹھہرایا۔ ان کو اپنے طریقے سے مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی۔

ایک ہم ہیں کہ اسلام کہ نام پر ایک فرقہ دوسرے فرقے والوں کی گردن کاٹ رہا ہے۔ غیروں سے مقابلہ کرنے کے بجائے آپس میں لڑ رہے ہیں۔ اپنی صورت سنوارنے کی بجائے بگاڑ رہے ہیں اور ظلم یہ کہ اسے اسلام کی تبلیغ سمجھ رہے ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر فوراً" قرآن پاک کی یہ آیت ذہن میں آتی ہے "کیا میں تمہیں ان لوگوں کے متعلق نہ بتاؤں جن کے اعمال سب سے زیادہ خراب ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو کرتے تو غلط کام ہیں مگر سمجھتے ہیں کہ وہ صحیح کام کر رہے ہیں" اللہ پاک ہمیں اس خودکشی سے بچائے اس غلط فہمی سے نجات دے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ

حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے' حضرت اسحٰق کے پوتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پڑپوتے تھے۔ انجیل مقدس میں لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے چار بیویوں سے بارہ بیٹے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام فلسطین (دریائے اردن کا غربی کنارہ) کے شہر ہبرون میں آباد تھے۔

انجیل مقدس کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام ۱۹۰۶ قبل مسیح میں پیدا ہوئے۔ جب آپ نے خواب دیکھا تو آپ کی عمر سترہ سال تھی۔ جس کنویں میں آپ کو ڈالا گیا وہ ڈوتھم شہر کے پاس تھا۔ اس زمانے میں مصر میں ھیکسوس خاندان کی حکومت تھی۔ یہ خاندان اصل میں فلسطین اور شام سے ہجرت کر کے مصر میں جا آباد ہوا تھا۔ اس لئے قرآن نے ان کو فرعون نہیں کہا ہے۔ اس بادشاہ کا نام بعض جگہ بن اسید لکھا ہے جس شخص نے حضرت یوسفؑ کو خریدا وہ عزیز مصر (مصر کا وزیر خزانہ) تھا۔ اس کی بیوی کا نام زلیخا تھا۔ جبکہ اس کا نام قطفیر یا اطفیر بتلایا جاتا ہے۔

اس زمانے میں مصر کا دارلحکومت میمفس تھا جس کے آثار قدیمہ قاہرہ سے ۴ میل جنوب میں دریائے نیل پر پائے جاتے ہیں۔ جب حضرت یوسفؑ وہاں گئے تو ان کی عمر ۱۷ سال تھی وہ تین سال عزیز مصر کے گھر میں رہے۔ نو سال جیل میں گزارے اور پھر تقریباً" ۳۰ سال کی عمر میں مصر کے حکمران بن گئے۔ اور اسّی سال تک حکمرانی کی۔ اقتدار کے دسویں سال انہوں نے اپنے باپ اور بھائیوں کو مصر بلایا انہیں گوشین کے علاقہ میں آباد کیا۔ یہ خاندان حضرت موسیٰؑ کے زمانے تک وہاں آباد رہا۔

قرآن پاک میں حضرت یوسفؑ کے نام سے الگ سورۃ (نمبر ۱۲) ہے جس میں یہ سارا قصہ بہت تفصیل سے بیان ہوا ہے اور دوسری آیت میں اس کو ''بہترین قصہ'' کہا گیا ہے۔

حضرت یوسفؑ نے اپنے والد سے کہا ''ابا جان! میں نے خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں'' جواب میں آپ کے والد نے کہا ''بیٹا! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا۔ ورنہ وہ تیرے درپے ہو جائیں گے۔ شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے۔ اور ایسا ہی ہو گا۔ تیرا رب تجھے نبی بنائے گا'' اس کے بعد حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ پر پہلے سے زیادہ شفقت شروع کر دی۔ یوسفؑ کے بھائیوں نے آپس میں کہا۔

''یہ یوسفؑ اور اس کا بھائی (بن یامین) ہمارے والد کو ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ حالانکہ ہم زیادہ ہیں۔ لگتا ہے ہمارا والد بالکل بہک گیا ہے۔ چلو یوسفؑ کو قتل کر دیتے ہیں یا اسے کہیں پھینک دیتے ہیں تاکہ والد کی توجہ ہماری طرف ہو جائے۔ یہ کام کر لینے کے بعد پھر ہم نیک بن جائیں گے۔'' اس پر ان میں سے ایک بولا ''یوسفؑ کو قتل نہ کرو۔ اگر کرنا ہی ہے تو اسے کسی اندھے کنویں میں ڈال دو۔ کوئی آتا جاتا قافلہ اسے نکال کر لے جائے گا۔'' اس بات پر سب نے جاکر اپنے باپ سے کہا ''ابا جان! کیا بات ہے کہ آپ یوسفؑ کے معاملہ میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے۔ حالانکہ ہم اس کے سچے خیر خواہ ہیں'' کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے گا۔ کچھ کھالے گا۔ کچھ کھیل لے گا۔ ہم اس کی حفاظت کے لئے موجود ہیں۔

باپ نے کہا کہ تمہارا اسے لے جانا مجھے شاق گزرتا ہے۔ اور مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اسے بھیڑیا نہ پھاڑ کھائے جبکہ تم اس سے غافل ہو۔ انہوں نے کہا اگر ہمارے ہوتے ہوئے اسے بھیڑیئے نے کھالیا جبکہ ہم ایک

جتھا ہیں تب تو ہم بڑے نکمّے ہوں گے۔ اس طرح اصرار کر کے جب وہ اسے لے گئے اور انہوں نے طے کر لیا کہ اسے ایک اندھے کنویں میں چھوڑ دیں۔ اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ شام کو وہ روتے پیٹتے اپنے باپ کے پاس آئے اور کہا ابا جان! ہم دوڑ کا مقابلہ کرنے میں لگ گئے تھے اور یوسفؑ کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا کہ اتنے میں بھیڑیا آکر اسے کھا گیا۔ وہ یوسفؑ کی قمیض پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر لے آئے تھے۔ یہ سن کر ان کے باپ نے کہا تم نے اپنے نفس کے زیر اثر ایک بہت بڑے کام کو آسان سمجھ کر کر لیا ہے۔ اچھا میں صبر کروں گا۔ اور اچھا صبر کروں گا اور اللہ سے مدد مانگوں گا۔

ادھر ایک قافلہ آیا اور اس نے اپنے سقے (پانی والے) کو پانی لانے کے لئے بھیجا۔ سقے نے جو کنویں میں ڈول ڈالا تو یوسفؑ کو دیکھ کر پکار اٹھا۔ مبارک ہو یہاں تو ایک لڑکا ہے۔ ان لوگوں نے اس کو مال تجارت سمجھ کر چھپا لیا۔ آخر کار انہوں نے تھوڑی سے قیمت پر چند درہموں کے عوض اسے بیچ ڈالا۔

مصر کے وزیر خزانہ نے آپ کو خرید کر اپنی بیوی سے کہا کہ اسے اچھی طرح رکھنا ہو سکتا ہے کہ بعد میں ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں۔ اس طرح سے اللہ پاک نے حضرت یوسفؑ کے لئے اس سرزمین میں قدم جمانے کی صورت نکال دی اور اسے معاملہ فہمی کی تعلیم دینے کا انتظام کیا۔ جب آپ جوان ہوئے تو آپ کی قوت فیصلہ اور علم میں پختگی آچکی تھی۔

جس عورت کے گھر میں آپ رہتے تھے وہ آپؑ پر ڈورے ڈالنے لگی اور ایک روز دروازہ بند کر کے بولی ''آجا'' یوسفؑ نے کہا ''خدا کی پناہ۔ اللہ نے مجھے عزت دی ہے۔ میں یہ غلط کام نہیں کر سکتا۔ ایسے غلط کام کرنے

والے کبھی اللہ کی طرف سے فلاح نہیں پاتے۔" وہ عورت یوسفؑ کی طرف بڑھی۔ حضرت یوسفؑ دروازہ کی طرف بھاگے اس نے پیچھے سے یوسفؑ کا قمیض کھینچ کر پھاڑ دیا۔ اتنے میں دروازے پر اس کا شوہر آگیا۔ اسے دیکھتے ہی عورت کہنے لگی "کیا سزا ہے اس شخص کی جو تیری گھروالی پر نیت خراب کرے" اس کے سوا اور کیا سزا ہو سکتی ہے کہ وہ قید کیا جائے یا اسے سخت عذاب دیا جائے" حضرت یوسفؑ نے فرمایا یہی عورت مجھے پھانسنے کی کوشش کر رہی تھی" اس عورت کے اپنے کنبہ والوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ اگر یوسفؑ کا قمیض آگے سے پھٹا ہوا ہے تو عورت سچی ہے اور اگر اس کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسفؑ سچا ہے۔ شوہر نے جب دیکھا کہ یوسفؑ کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہے تو اس کو یقین ہو گیا کہ غلطی اس کی بیوی کی ہے تو اس نے فوراً" کہا تم عورتوں کی چالیں بہت غضب کی ہوتی ہیں۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم اپنے قصور کی معافی مانگو کہ اصل میں غلطی تمہاری ہے۔ اور حضرت یوسفؑ سے کہا کہ وہ معاملے میں درگزر سے کام لیں۔

شہر کی عورتیں آپس میں چرچا کرنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے نوجوان غلام کے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ محبت نے اسے بے قابو کر رکھا ہے۔ ہمارے نزدیک تو بالکل غلطی کر رہی ہے۔ جب زلیخا نے ان کی مکارانہ باتیں سنیں تو ان کو بلاوا بھیج دیا۔ اور ان کے لئے مجلس سجائی۔ اور کھانے میں ہر ایک کے آگے ایک ایک چھری رکھ دی۔ پھر اس وقت جب وہ پھل کاٹ کاٹ کر کھا رہی تھیں تو اس نے حضرت یوسفؑ کو اشارہ کیا کہ ان کے سامنے سے نکل آئیں۔ جب وہ عورتوں کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ دنگ رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔ اور بے ساختہ پکار اٹھیں "یہ شخص انسان نہیں

ہے۔ یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے" عزیز کی بیوی نے کہا "دیکھ لیا ... یہ ہے وہ شخص جس کے معاملہ میں تم مجھ سے باتیں بناتی تھیں۔ بے شک میں نے اسے پھانسنے کی کوشش کی تھی مگر یہ بچ نکلا' اگر یہ میرا کہنا نہیں مانے گا تو قید کیا جائے گا اور بہت ذلیل و خوار ہو گا۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ "اے میرے رب قید مجھے منظور ہے بہ نسبت اس کے کہ میں وہ کام کروں جو یہ لوگ مجھ سے چاہتے ہیں۔ اگر تو نے ان کی چالوں کو مجھ سے دفع نہ کیا تو ان کے دام میں پھنس جاؤں گا اور جاہلوں میں شامل ہو رہوں گا۔" یوسفؑ کے رب نے آپ کی دعا قبول کی اور ان عورتوں کی چالیں آپ سے دفع کر دیں۔

پھر ان لوگوں نے آپؑ کو مقدمہ چلائے بغیر۔ جرم ثابت کئے بغیر ایک مدت کے لئے قید کر دیا۔ حالانکہ وہ آپؑ کی پاک دامنی اور اپنی عورتوں کے برے اطوار دیکھ چکے تھے۔

قید خانے میں دو غلام اور بھی قید کئے گئے تھے۔ ایک روز ان میں سے ایک نے کہا "میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں شراب کشید کر رہا ہوں" دوسرے نے کہا " میں نے دیکھا کہ میرے سر پر روٹیاں رکھی ہیں اور پرندے ان کو کھا رہے ہیں۔" دونوں نے کہا "ہمیں تعبیر بتایئے۔ ہمیں آپ ایک نیک آدمی لگتے ہیں۔" حضرت یوسفؑ فرمایا کہ خواب کی تعبیر کا علم اللہ نے مجھے عنایت کیا ہے۔ میں اللہ پر ایمان لایا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب اختیار کیا ہے۔ میں شرک نہیں کرتا۔ اے میرے جیل خانہ کے ساتھیو تم خود سوچو کہ بہت سے خدا بہتر ہیں یا پھر ایک اللہ جو ان سب پر غالب ہے؟ تم نے غلط خدا بنا رکھے ہیں۔ تم صرف اللہ کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ تمہارے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم میں سے ایک تو بادشاہ کو شراب پلائے گا اور دوسرا سولی پر چڑھا دیا جائے گا اور پرندے اس کا

سر نوچ کر کھائیں گے۔

پھر ان میں سے جس کے متعلق خیال تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا حضرت یوسفؑ نے اس سے کہا کہ اپنے بادشاہ سے میرا ذکر کرنا۔ مگر شیطان نے اسے غفلت میں ڈالا۔ وہ بادشاہ سے ذکر کرنا بھول گیا اور حضرت یوسفؑ کئی سال قید خانے میں پڑے رہے۔

ایک دفعہ بادشاہ نے کہا "میں نے خواب دیکھا ہے کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں۔ اور اناج کی سات بالیں ہری ہیں اور دوسری سات سوکھی۔ اے اہل دربار مجھے اس خواب کی تعبیر بتاؤ۔" لوگوں نے کہا یہ تو پریشان خیالی ہے۔ ہم اس کا کیا مطلب بتائیں۔ اس رہا شدہ قیدی کو اب قید خانہ والی بات یاد آئی۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے جیل میں حضرت یوسفؑ کے پاس بھیج دیں میں آپ کو واپسی پر اس کی تعبیر بتا دوں گا۔ وہ فوراً جیل گیا اور حضرت یوسفؑ سے خواب بیان کر کے اس کی تعبیر بتانے کی درخواست کی۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ سات برس تک لگا تار کھیتی باڑی کرتے رہو۔ ہر سال صرف ضرورت کا غلہ استعمال کر کے بقیہ ذخیرہ کرتے رہو۔ پھر سات برس قحط پڑے گا۔ اسی زمانے میں یہ غلہ کھا لینا۔

بادشاہ نے جب یہ تعبیر سنی تو فوراً کہا کہ حضرت یوسفؑ کو اس کے پاس لایا جائے۔ مگر جب شاہی قاصد حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کا کیا معاملہ ہے اس پر بادشاہ نے عورتوں سے دریافت کیا "تمہارا یوسفؑ کے بارے میں کیا تجربہ ہے۔" سب عورتوں نے بیک زبان کہا ہم نے تو اس میں بدی کا شائبہ تک نہیں پایا۔ اس موقعہ پر زلیخا بھی بول اٹھی کہ یوسف بالکل سچا ہے اور غلطی میری تھی۔

حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ "اس سوال سے میری مراد یہ تھی کہ عزیز مصر یہ جان لے کہ میں نے چوری چھپے خیانت نہیں کی تھی۔ اور یہ کہ خیانت کی چالوں کو اللہ پاک کامیاب نہیں کرتے۔ میں اپنے نفس کی صفائی نہیں دے رہا۔ نفس تو بدی پر اکساتا ہے۔ صرف وہی لوگ محفوظ رہتے ہیں جن پر اللہ پاک کی رحمت ہو جائے اور اللہ پاک معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

اس موقع پر بادشاہ نے کہا کہ یوسفؑ کو میرے پاس لاؤ۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے تو بادشاہ نے فرمایا کہ آپؑ کی ہمارے ہاں بڑی عزت ہے۔ آپ کی امانت پر ہمیں مکمل بھروسہ ہے۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ ملک کے خزانے میرے حوالے کر دیں۔ میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔ اس طرح سے اللہ پاک نے حضرت یوسفؑ کے لئے اقتدار کا بندوبست کیا اور حضرت یوسفؑ ملک مصر کے خودمختار حکمراں بن گئے۔ اس لئے کہ اللہ جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت سے نوازتے ہیں۔ نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ آخرت میں اس سے زیادہ اجر دیا جائے گا۔ مگر آخرت میں اجر صرف ان لوگوں کو دیا جائے گا جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ پاک سے ڈرتے ہیں۔

ہم نے دیکھا کہ کس طرح حضرت یوسفؑ اپنے بھائیوں کے حسد کا شکار ہوئے۔ کنویں میں اللہ پاک نے ان کی حفاظت کی۔ عزیز مصر کے ہاں پہنچا دیا۔ عورتوں کی مکاری سے بچ گئے۔ سازش کا شکار ہو کر ۹ برس جیل میں رہے۔ وہاں دین کی تبلیغ کا کام جاری رکھا۔ اللہ پاک نے پھر ان کے اعلیٰ اخلاق اور اللہ سے تعلق کی بنا پر ان کو مصر کا بادشاہ بنا دیا۔ پھر حضرت یوسفؑ نے اپنے والدین اور بھائیوں کو اپنے پاس کنعان سے مصر بلا لیا۔ جب یہ

لوگ وہاں پہنچے تو آپؑ نے اپنے والدین کو اٹھا کر اپنے پاس تخت پر بٹھایا پھر سب بھائی بے اختیار آپؑ کے آگے سجدے میں گر گئے۔ اس پر حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ "اے ابا جان! یہ تعبیر ہے میرے اس خواب کی جو میں نے پہلے دیکھا تھا۔ میرے رب نے اسے حقیقت بنا دیا۔ اس کا احسان ہے کہ اس نے مجھے قید خانہ سے نکالا اور آپ لوگوں کو صحرا سے لا کر مجھ سے ملایا۔ میرے اللہ پاک ہیں جو چاہیں کرتے ہیں۔ وہ علم والا ہے۔ عقل والا ہے۔ اے میرے رب تو نے مجھے حکومت بخشی ہے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا سرپرست ہے۔ میرا خاتمہ اسلام پر کر۔ اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا۔

قرآن مجید نے حضرت یوسفؑ کے قصے کو باقی تمام انبیاء کے قصوں سے زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے اور اسے سب سے اچھا قصہ (احسن القصص) کہا ہے۔ اس میں ہمارے لئے بہت سی نصیحتیں ہیں۔ چند ہم یہاں بیان کرتے ہیں:

۱۔ کسی دوسرے کی ترقی و عزت سے حسد نہیں کرنا چاہیئے۔ اسے اللہ کی عطا سمجھنا چاہیئے۔ خود بھی اس کے لئے جدوجہد کی جائے اور اللہ پاک سے اس کی مدد مانگی جائے مگر ہر حال پر صبر کیا جائے۔

۲۔ انسان اپنے مفادات میں جب اندھا ہو جاتا ہے تو اسے بڑا گناہ بھی معمولی نظر آتا ہے۔

۳۔ جسے اللہ سلامت رکھنا چاہے اسے کون نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اللہ عزت دینا چاہے تو وہ اس کے لئے غیب سے وسائل پیدا کرتا ہے۔

۴۔ معاملہ فہمی، قوت فیصلہ، علم اور امانت داری بہت اعلیٰ اخلاقی صفات ہیں۔

۵۔ عزت والے لوگوں کو برائی سے زیادہ بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

۶۔ غلط کاری کا نتیجہ آخر کار غلط ہوتا ہے۔ چاہے بظاہر اس میں فائدے نظر آئیں۔

۷۔ بری عورتوں کی مکارانہ چالوں سے بچنا چاہئے۔ یہ نفس اور شیطان کی چالوں سے زیادہ خطرناک ہوتی ہیں۔

۸۔ انسان سے غلطی ہو جائے تو اسے معافی مانگ لینی چاہئے۔ ہمیں بھی غلط کار کو ترغیب دینی چاہئے کہ وہ غلطی کی معافی مانگ لے۔

۹۔ اگر ہم سے کوئی زیادتی کرے تو ہمیں درگذر سے کام لینا چاہئے اور دوسروں کو بھی یہی مشورہ دینا چاہئے۔

۱۰۔ انسانی حسن سے متاثر ہونا فطری بات ہے۔ اس کے منفی اثرات سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔

۱۱۔ اگر برائی کرنے اور سزا میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کرنا پڑے تو فورا" سزا کو اختیار کر لیا جائے مگر برائی ہرگز نہ کی جائے کہ آخرت کا عذاب زیادہ خطرناک ہے۔

۱۲۔ جب بھی کسی کا ہم سے رابطہ ہو تو اسے فورا" مثبت طریقے سے دعوت دینی چاہئے۔ دعوت میں زیادہ زور اللہ کی بندگی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر دینا چاہئے۔

۱۳۔ گناہگاروں سے بھی پیار و محبت سے پیش آنا چاہئے۔ ہمیں گناہگار سے نہیں بلکہ اس کے گناہ سے نفرت کرنی چاہے۔ شفقت کرکے انہیں اپنے سے مانوس کرکے سمجھانا چاہئے۔

۱۴۔ جھوٹا الزام چاہے کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہوں آخر کار منہ کی کھائے گا اور سچ غالب آکر رہے گا۔

۱۵۔ اللہ پاک خیانت کی چالوں کو ہر حالت میں ناکام کرتے ہیں چاہے

اس میں کچھ دیر بھی ہو جائے۔

۱۶۔ اپنے نفس کی بدی سے بچنے کے لئے ہر دم اللہ پاک سے رحمت مانگنی چاہیے۔

۱۷۔ اللہ پاک اچھائی کو کبھی بھی ضائع نہیں کرتے۔ جلد یا بدیر اس کے اچھے اثرات سامنے آہی جاتے ہیں۔

۱۸۔ عزت و ذلت اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے۔ جسے چاہے عزت دے۔ جسے چاہے ذلت دے۔

۱۹۔ اقتدار اللہ پاک کی رحمت ہے جس کو چاہتے ہیں اس کو عطا کرتے ہیں۔ اس میں اقتدار والوں کے لئے آزمائش ہے کہ وہ اس زمین پر عدل کرتے ہیں یا ظلم۔

۲۰۔ دنیا اور آخرت میں صرف اللہ ہی کو اپنا سرپرست تسلیم کرنا چاہئے۔

۲۱۔ نیک لوگوں سے میل جول رکھنا چاہیے کہ ان کی صحبت کا اچھا اثر پڑتا ہے۔

۲۲۔ اچھے خاتمے کی دعا کرنی چاہئے یہ دنیا تو دھوکہ ہے۔ فانی ہے۔ اصل آخرت ہے۔

۲۳۔ جو بھی نیک چلنی۔ خدا ترسی اور اچھے اعمال اختیار کرے گا۔ اللہ پاک اسے عزت دیں گے۔ انعامات سے نوازیں گے۔

۲۴۔ کوئی اگر گناہ کی دعوت دے تو پہلے اللہ سے پناہ مانگنی چاہیے پھر اسے حکمت کے ساتھ نصیحت کی جائے کہ خدا سے ڈرے اور اپنے غلط ارادہ سے باز آجائے۔

۲۵۔ جس جگہ گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو اس جگہ کو چھوڑ دینا چاہئے۔

۲۶۔ کسی شخص پر کوئی غلط تہمت باندھی جائے تو اسے اپنی صفائی پیش کرنی چاہییے یہ کوئی بزرگی نہیں کہ اس وقت خاموش رہ کر اپنے آپ کو مجرم قرار دلوا لے

۲۷۔ ہمیں اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارے بارے میں لوگوں میں بدگمانی پیدا نہ ہو اگرچہ وہ بدگمانی غلط ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے بچنے کی ترکیب کرنی چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تہمت کے مواقع سے بچو۔ یعنی ایسے حالات سے اپنے آپ کو بچاؤ جن میں کسی کو تم پر تہمت لگانے کا موقع ہاتھ آئے۔ آپؐ نے خود اس بات کا خیال فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ آپ ازواج مطہراتؓ میں سے ایک بی بی کے ساتھ مدینے کی ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ کوئی صحابیؓ سامنے آگئے۔ تو آپ نے دور ہی سے بتلا دیا کہ میرے ساتھ صفیہ بی بیؓ ہیں۔ اس صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ کے بارے میں کسی کو بدگمانی ہو سکتی ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ ہاں شیطان انسان کی رگ رگ میں سرایت کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی کے دل میں شبہ ڈال دے (بخاری۔ مسلم)

۲۸۔ ضرورت کے موقع پر اپنے کسی کمال یا فن کا ذکر کر دینا پاکبازی کے خلاف نہیں بشرطیکہ اس میں تکبر اور فخر نہ ہو۔

۲۹۔ جب اولاد سے کوئی گناہ یا غلطی سرزد ہو جائے تو والدین کو چاہئے کہ تربیت کر کے ان کی اصلاح کی فکر کریں اور جب تک اصلاح کی امید ہو ان سے تعلق ختم نہ کریں۔

۳۰۔ لوگوں کے حسد سے بچنے کے لئے اپنی خاص نعمتوں اور اوصاف کا لوگوں سے چھپانا درست ہے۔

کتابیات

۱۔ معارف القرآن مفتی محمد شفیع رحمتہ اللہ علیہ

۲۔ تفہیم القرآن ابو الاعلیٰ مودودی علیہ الرحمتہ

۳۔ تفسیر ماجدی علامہ عبدالماجد دریا بادیؒ

۴۔ بخاری شریف

۵۔ مسلم شریف

۶۔ مشکوۃ شریف

۷۔ محبت کے اشارے مولانا صوفی محمد اقبال مدظلہ

۸۔ اسلامی تعلیمات جعفر حسین صاحب

اس کتابچے کو لکھنے کے لئے درج بالا کتب سے مدد لی گئی ہے۔ یہ کتابچہ دعوتی مقصد کے لئے ہے۔ اس لئے اس میں حوالہ جات نہیں دیئے گے۔ اگر کسی مضمون یا حوالہ میں غلطی ہو تو اللہ پاک مجھے معاف فرمائے۔ قاری حضرات سے درخواست ہے کہ براہ کرم مجھے ایسی غلطی سے فوراً آگاہ کریں اور میرے دین و دنیا کی بھلائی کے لئے دعا فرمائیں۔ میرے والدین، اساتذہ، احباب، اور اقارب کو بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

ظفراللہ خان

اسسٹنٹ کمشنر لعل عیسن، کروڑ

پوسٹ آفس بکس ۴۹۰ ملتان

مصنف کا تعارف

13 مارچ 1961ء کو ضلع خانیوال کے گاؤں "چاون" میں پیدا ہوئے میٹرک، ایف۔ اے اور بی۔ اے کے امتحانات ملتان بورڈ اور یونیورسٹی سے بطور پرائیویٹ طالب علم کے امتیازی حیثیت سے پاس کئے۔ 1984ء میں قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے انٹرنیشنل ریلیشنز میں ایم ایس سی کیا اور پہلی پوزیشن حاصل کی۔ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں تدریس و تحقیق کے بعد 1987ء میں سول سروس (ڈسٹرکٹ مینجمنٹ گروپ) میں شمولیت اختیار کر کے آج کل لعل عیسن کروڑ پنجاب میں بطور اسسٹنٹ کمشنر تعینات ہیں۔